رسانارسا

تعجب تو یہ ہے کہ مناظر پر نگاہ پڑتے ہی تمنائیں گویا کوئی اُدھورا جہاں مکمل کرنے لگ جاتی ہیں۔ آفس سے آ کر یوں ہی سڑک کی سمت کھلنے والی کھڑکی کا پردہ سرکا دیتی..... اور ان منظروں کو ذرا بلندی سے دوبارہ دیکھتی کہ ابھی انہی راستوں سے گزر کر ہی تو فلیٹ میں داخل ہوئی تھی۔ کبھی گھنٹوں کھڑکی میں کھڑا ہونے کا اتفاق تو نہیں ہوتا تھا، ہاں.....! کچھ 'مریضانہ' سی عادت تھی۔ فلیٹ میں اِدھر اُدھر آتے جاتے پردہ کھسکا کر ذرا کو باہر جھانکتی ضرور تھی جیسے کسی گمشدہ شے کی تلاش ہو۔ ارادہ یہی ہوتا تھا کہ ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ جاؤں گی مگر دس منٹ مجھے وہاں ضرور لگ جاتے تھے۔

کچھ دیر بعد چونک کر حیران ہوتی..... اس لئے کہ میں بظاہر کھڑکی میں کھڑی باہر جھانک رہی ہوتی تھی مگر ظاہری آنکھ کی پتلی پر کوئی بھی منظر نہیں ہوتا تھا۔

جانے کون کون سی ٹیسیں، نا آسودگیاں تصویروں کی صورت میری نظروں میں پھرنے لگتی تھیں..... ہر منظر ایک قطرۂ اَشک کے محیط میں مقید ہوتا تھا.....اور پھر اُس کے ساتھ۔''

اسی بات پر تعجب کر رہی تھی کہ کچھ دیر پہلے.....کھڑکی سے باہر ایک نظر کسی منظر کو دیکھا اور خیال کی رو بہک گئی.....اور تمناؤں کی ایک کائنات سج گئی۔

سب کچھ ہے مگر ''وہ'' کیوں نہیں ہے.....؟ ''وہ'' جس کے نہ ہونے سے کچھ بھی نہیں ہے۔

حالانکہ سنا ہے، امتحان سے گزر کر امتحان کا صلہ ملتا ہے۔

سنو زوار حسن.....! تمہارے سلسلے میں، میں نے کم امتحان دیئے ہیں.....؟ پہلا امتحان تو تم سے ملنا ہی ہے۔

تم کتنی صبح کو ہمارے ہاں آئے تھے، سوٹ کیس، فلاسک، شاپنگ بیگ سمیٹ، حتیٰ کہ بائیں کاندھے پر کیمرا تک لٹک رہا تھا۔

فجر کا وقت تھا..... خدا کے رو بہ رو ہونے کا سمے، تم کہاں سے آگئے تھے اس وقت.....؟ (کہیں کوئی مشرکانہ فعل نہ سرزد ہو گیا ہو، اس دن مجھ سے)۔

شاید سردیوں کے دن تھے، بڑی اماں یعنی میری دادی جان اور میں ہی عموماً بہت سویرے اُٹھنے کے عادی تھے..... میں نے اپنے کمرے میں کال کی آواز سنی تھی۔

لوگ کہتے ہیں یہ تو عام سی کہانی ہے کہ عورت مرد کا سامنا ہوا اور..... جو یہ الزام تراشتے ہیں ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیں..... ان باتوں کا ایک ''موسم'' ہوتا ہے۔ کسی بڑھیا کو کسی نے ایک مستقل اور لازوال مسکراہٹ کے ساتھ گھنٹوں کسی آئینے کے سامنے ڈٹتے دیکھا ہے.....؟

اس دُنیا کی پہلی کہانی ہی عورت مرد کے قصے سے آغاز ہوئی ہے۔

حوا کو آدم کی دل بستگی کے لئے پیدا کیا گیا۔

دل بستگی کا سمبندھ ہوش رُبائی اور دل رُبائی سے ایسا ہی ہے، جیسے رات کا صبح سے..... پھول کا خوشبو سے اور خدا کا کائنات سے۔

مگر عورت کی ہوش رُبائی کے پیر نہیں ہوتے، لمحے ہوتے ہیں..... وہ کسی کو متوجہ کرے یا نہ کرے۔

ہوش رُبائی کے ان لمحوں میں دیکھنے والوں کے خاموش سلام اس حد تک آ ہی جاتے ہیں۔

کوئی جان کر انجان بن جاتا ہے۔

کوئی سلام لے کر مسکراتا اور آگے بڑھ جاتا ہے۔

جیسے کوئی چھابڑی سے سیب اُٹھائے اور قیمت دیئے بغیر چل پڑے۔

کسی کو واقعی سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرے.....؟

سنو زوار حسن.....! تمہارے سلسلے میں، میں نے کم امتحان دیئے ہیں.....؟ پہلا امتحان تو تم سے ملنا ہی ہے۔

تم کتنی صبح کو ہمارے ہاں آئے تھے، سوٹ کیس، فلاسک، شاپنگ بیگ سمیٹ، حتیٰ کہ بائیں کاندھے پر کیمرا تک لٹک رہا تھا۔

فجر کا وقت تھا..... خدا کے رو بہ رو ہونے کا سے، تم کہاں سے آگئے تھے اس وقت.....؟ (کہیں کوئی مشرکانہ فعل نہ سرزد ہو گیا ہو، اس دن مجھ سے)۔

شاید سردیوں کے دن تھے، بڑی اماں یعنی میری دادی جان اور میں ہی عموماً بہت سویرے اُٹھنے کے عادی تھے..... میں نے اپنے کمرے میں کال کی آواز سنی تھی۔

لوگ کہتے ہیں یہ تو عام سی کہانی ہے کہ عورت مرد کا سامنا ہوا اور..... جو یہ الزام تراشتے ہیں ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیں..... ان باتوں کا ایک ''موسم'' ہوتا ہے۔ کسی بڑھیا کو کسی نے ایک مستقل اور لازوال مسکراہٹ کے ساتھ گھنٹوں کسی آئینے کے سامنے ڈٹتے دیکھا ہے.....؟

اس دُنیا کی پہلی کہانی ہی عورت مرد کے قصے سے آغاز ہوئی ہے۔

حوا کو آدم کی دل بستگی کے لئے پیدا کیا گیا۔

دل بستگی کا سمبندھ ہوش رُبائی اور دل رُبائی سے ایسا ہی ہے، جیسے رات کا صبح سے..... پھول کا خوشبو سے اور خدا کا کائنات سے۔

مگر عورت کی ہوش رُبائی کے پیر نہیں ہوتے، لمحے ہوتے ہیں..... وہ کسی کو متوجہ کرے یا نہ کرے۔

ہوش رُبائی کے ان لمحوں میں دیکھنے والوں کے خاموش سلام اس حد تک آ ہی جاتے ہیں۔

کوئی جان کر انجان بن جاتا ہے۔

کوئی سلام لے کر مسکراتا اور آگے بڑھ جاتا ہے۔

جیسے کوئی چھابڑی سے سیب اُٹھائے اور قیمت دیئے بغیر چل پڑے۔

کسی کو واقعی سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرے.....؟

عمر کے ساتھ مضامین غیب سے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ باتیں کوئی سکھائے سے آیا کرتی ہیں.....؟

کون نہیں جانتا.....؟

جو اس سچ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے وہ گویا اپنی ہستی سے انکار کرتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہر مرد عورت سے متاثر نہیں ہوتا..... اور نہ ہی ہر مرد عورت کے دل کے تاروں کو چھیڑ سکتا ہے..... نہ ہر عورت ہر مرد پر ریجھتی ہے اور نہ ہی ہر مرد اسے متاثر کر سکتا ہے۔

لیکن یہ طے ہے کہ..... بعض اوقات ساری جوانی گزار کر بھی روح سے میل کھاتا بندہ نہیں ملتا اور کبھی یوں ہی سرِ راہ مل جاتا ہے۔

آہ.....! یہ میں نے کیا کہہ دیا..... مل جاتا ہے نہیں، بلکہ نظر آ جاتا ہے..... جیسے تم..... (میری ہوش رُبائی کے موسم کا آغاز ہو چکا تھا)۔

میں نے لکڑی کا دروازہ تو کھول دیا تھا مگر اس سے آگے والا جالی کا دروازہ بند تھا۔

میں جالی سے ناک ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

''جی..... فرمایئے.....!'' (بالی ہمارا صبح ہی آ جاتا تھا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا) لہٰذا تم برآمدے میں تو آ ہی چکے تھے۔

''اجی فرمانا کیسا.....؟ اندر تو آنے دیجئے..... خالی پیٹ کیا خاک فرمائیں گے.....؟'' تم اس بری طرح جھلائے کہ میں نے مارے گھبراہٹ کے دونوں پٹ وا کر دیئے۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''لیکن آپ ہیں کون.....؟''

''یہ سوال دروازہ، بلکہ دروازے کھولنے سے پہلے پوچھنا چاہئے تھا۔ اب چور ہوں یا ڈاکو، اندر تو آ ہی گیا ہوں۔'' تمہارا لہجہ پھر تلخ ہو گیا۔ تم واقعی بہت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

''مگر آپ کا اسمِ گرامی.....؟'' میں بدستور ڈٹی رہی۔

''نانی جان کہاں ہیں.....؟'' ایسا محسوس ہوتا تھا گویا تمہارا خمیرا آتش فشاں سے اُٹھا

معلومات میں اضافے کے خیال سے اندر داخل ہوگئی۔

دادی جان مغرب کی سمت منہ کئے تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ میں کھنکاری.....

دادی جان نے چہرہ ذرا سا موڑا.....اور جیسے نظر سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے.....؟''

''مہمان آئے ہیں آپ سے ملنے۔'' میں بولی۔

دادی جان اب پوری گھوم گئیں اور اشارے سے ہم دونوں کو بیٹھنے کو کہا.....

تم دادی جان کے پاس ان کی نماز کی چوکی پر بیٹھ گئے اور میں کچھ فاصلے پر موڑھے پر..... چند لمحوں کے بعد دادی جان نے اپنا ورد تمام کیا، پھر دُعا کی اور تسبیح رکھ دی اور تمہیں دیکھنے لگیں۔

''السلام علیکم نانی جان.....!'' میں نے تمہاری آواز میں پہلی بار نرمی محسوس کی۔

''وعلیکم السلام.....! جیتے رہو۔'' وہ بغور تمہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اُلجھن صاف محسوس کی جاسکتی تھی.....اور میں اس اُلجھن پر پریشان کہ خدایا.....! کیسی نانی ہیں، نواسے کو نہیں پہچانتی ہیں.....میری عمر کا خاصا حصہ اپنے ماموں کے ہاں گزرا تھا۔ میرا نہ پہچاننا تو کچھ معنی بھی رکھتا تھا۔

''میں عطیہ کا بڑا بیٹا ہوں، زوّار۔'' تم بھی شاید ان کی اُلجھن سمجھ گئے تھے۔

دادی جان نے بے اختیار تمہارے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''زوّار ہو.....!'' ماشاء اللہ.....بھئی بڑے ہوگئے ہو نا۔'' ان کی آواز میں مسرت آمیز کھنک تھی۔

میرے حساب سے تو موصوف بڑے ہو کر بھی ''پرانے'' ہوگئے تھے.....کیا صحرائے گوبی کی طرف گئے ہوئے تھے کہ اب لوٹے ہیں، سگی نانی تک پہچان نہیں پائیں.....(خدا معلوم ''عطیہ'' میری کس رشتے کی پھوپھی کا نام ہے.....؟)۔

''عطیہ کیسی ہیں.....؟''

''ٹھیک ہیں.....'' تم نے خاصی معقولیت سے جواب دیا۔

''زیارت ہی میں ہیں.....؟'' دادی جان نے اب تمہارے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جی.....!''

ہو۔

''کون نانی جان.....!'' میں ہونق ہوگئی۔

''نانی جان محترمہ رابعہ اعجاز حسین.....!'' تم ایسے گویا ہوئے جیسے پہاڑ کھاؤ گے۔

''اوہ..... میری دادی جان گویا موصوف کی نانی جان ہیں..... ماشاءاللہ میری سات پھوپھیاں ہیں..... تم نہ جانے کس کے بیٹے ہو.....؟'' میں نے سوچا تھا۔

''اپنے کمرے میں ہیں۔'' میں اطمینان سے بولی۔

''اور ان کا کمرہ کہاں ہے.....؟ اسی گھر میں ہے اور گھر کہاں ہے.....؟ مین روڈ پر ہے اور مین روڈ کہاں.....؟'' تم نے استہزائیہ مسکرا کر میری سمت دیکھا..... ''محترمہ.....! میں آپ کے اس ''کامپلیکس'' میں پہلی مرتبہ داخل ہونے کی غلطی کر رہا ہوں۔ کیا آپ لوگوں نے بیڈ رومز کے باہر ناموں کی تختیاں لگا رکھی ہیں.....؟''

مجھے ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا..... خاصی شرمندہ سی ہوئی۔

''دراصل میں.....''

''صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ آپ گھر کے اندر ہیں، یقیناً کوئی نہ کوئی تعلق تو ہوگا اس گھر سے۔ کیا تعلق ہے اور کس قسم کا ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' تم نے شانے اُچکائے۔ ''تھکن سے میری بری حالت ہے۔ رات ایک بجے ایک دوست کے ہاں پہنچا۔ کہاں ڈھونڈتا پھرتا رات کو یہ گھر.....!'' تم جیسے خود کلامی کے انداز میں بولے تھے۔

اچھا ہی ہوا جو رات کو نہ آئے..... میں تو ڈریکولا کا ''فائنل جنم'' سمجھ لیتی موصوف کو، اس قدر لٹھ مار لہجہ۔ میری طبیعت مکدر ہوگئی تھی۔ کیسا دوست تھا کہ اتنی صبح صبح بھگا دیا..... دروازے کے باہر ہی چارپائی ڈال دی ہوگی۔ ایسے انسان کے ساتھ اتنا سلوک بھی بہت ہے۔ میں تمہیں ساتھ لئے آگے بڑھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

دادی جان کے کمرے کے سامنے میں رُک گئی۔

''اندر تشریف لے جاسکتے ہیں۔''

تم نے میری سمت دیکھے بغیر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئے..... میں بھی اپنی

معلومات میں اضافے کے خیال سے اندر داخل ہوگئی۔

دادی جان مغرب کی سمت منہ کئے تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ میں کھنکاری.....

دادی جان نے چہرہ ذرا سا موڑا.....اور جیسے نظر سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے.....؟''

''مہمان آئے ہیں آپ سے ملنے۔'' میں بولی۔

دادی جان اب پوری گھوم گئیں اور اشارے سے ہم دونوں کو بیٹھنے کو کہا.....

تم دادی جان کے پاس ان کی نماز کی چوکی پر بیٹھ گئے اور میں کچھ فاصلے پر موڑھے پر..... چند لمحوں کے بعد دادی جان نے اپنا ورد تمام کیا، پھر دُعا کی اور تسبیح رکھ دی اور تمہیں دیکھنے لگیں۔

''السلام علیکم نانی جان.....!'' میں نے تمہاری آواز میں پہلی بار نرمی محسوس کی۔

''وعلیکم السلام.....! جیتے رہو۔'' وہ بغور تمہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اُلجھن صاف محسوس کی جاسکتی تھی.....اور میں اس اُلجھن پر پریشان کہ خدایا.....! کیسی نانی ہیں، نواسے کو نہیں پہچانتی ہیں..... میری عمر کا خاصا حصہ اپنے ماموں کے ہاں گزرا تھا۔ میرا نہ پہچاننا تو کچھ معنی بھی رکھتا تھا۔

''میں عطیہ کا بڑا بیٹا ہوں، زوّار۔'' تم بھی شاید ان کی اُلجھن سمجھ گئے تھے۔

دادی جان نے بے اختیار تمہارے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''زوّار ہو.....!'' ماشاء اللہ.....بھئی بڑے ہوگئے ہو نا۔'' ان کی آواز میں مسرت آمیز کھنک تھی۔

میرے حساب سے تو موصوف بڑے ہو کر بھی ''پرانے'' ہوگئے تھے.....کیا صحرائے گوبی کی طرف گئے ہوئے تھے کہ اب لوٹے ہیں، سگی نانی تک پہچان نہیں پائیں..... (خدا معلوم ''عطیہ'' میری کس رشتے کی پھوپھی کا نام ہے.....؟)۔

''عطیہ کیسی ہیں.....؟''

''ٹھیک ہیں.....'' تم نے خاصی معقولیت سے جواب دیا۔

''زیارت ہی میں ہیں.....؟'' دادی جان نے اب تمہارے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جی.....!''

''دیبا.....!'' اب دادی جان میری طرف متوجہ ہوئیں۔''بیٹی.....! یہ تمہاری شمسہ پھوپھی ہیں نا.....ان کی امی شمسہ کی بہت گہری سہیلی تھیں۔''

''اوہ.....!'' میں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تھیں کیا بلکہ ہیں..... بیٹی بنی ہوئی تھیں میری.....شمسہ کے لئے تو عطیہ بہنوں سے بڑھ کر ہیں..... ہائے.....! یہ وقت کے کھیل..... تیرہ برس سے شمسہ قاہرہ میں ہیں اور عطیہ زیارت میں.....کیا دانت کاٹی روٹی چلتی تھی اور اب دوریاں مٹائے نہیں مٹتیں۔''

''گھر مل گیا آسانی سے.....؟'' دادی جان پوچھ رہی تھیں۔

''جی..... میرا ایک دوست یہیں ہے، وہی چھوڑ گیا ہے مجھے..... رات کو پہنچا تھا یہاں، دیر ہوگئی تھی۔سوچا گھر ڈھونڈنے میں مزید دیر نہ ہو جائے.....دوست کینٹ ایریا کے قریب ہی رہتا ہے۔''

''ساتھ اندر نہیں لائے اسے.....؟'' دادی جان نے پوچھا۔

''جی نہیں.....اسے آفس جانا ہوتا ہے۔تیاری بھی کرنا تھی اسے۔''

''بہت اچھا کیا بیٹے کہ تم چلے آئے..... بہت خوشی ہوئی۔'' دادی جان نے اظہارِ مسرت کا ''ایکشن ری پلے'' چلایا۔

''میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے یہاں کوئٹہ سے.....گھر تو سمجھئے، ملا ہوا ہے مگر اس میں کچھ سامان وغیرہ توڈالنا ہوگا.....اس خیال سے مجھے یہاں ایک دو دن ٹھہرنے کی اجازت درکار ہے۔''

''اجازت کیسی بیٹے.....! تمہارا اپنا گھر ہے..... جب تک جی چاہے رہو بیٹے.....! ماشاءاللہ اتنا بڑا گھر ہے۔'' دادی جان نے فیاضی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''بہت شکریہ.....!''

''آپ کو نہار منہ تصویریں بنوانے کا خاصا شوق معلوم ہوتا ہے۔'' میں اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی.....کیمرہ جو موصوف کے شانے پر جھول رہا تھا اسی کو نشانہ بنا بیٹھی۔

''منہ دھو کر بھی بنا لیتا ہوں۔آپ اپنا منہ دھو لیجئے۔ بنا دوں گا، آپ کی بھی ایک تصویر۔'' تمہارے انداز میں جھلاہٹ کے بجائے ایک لطیف سا طنز تھا۔

میری روح جھلس گئی۔

''تم نہا دھولو بیٹے، پھر ناشتہ کرنا میرے اور دیبا کے ساتھ..... ہم دونوں دادی اور پوتی روزانہ اسی وقت ناشتہ کرتے ہیں۔ بیٹی.....! مہمان خانہ کھلوادو..... تمہاری ماں نے کل شام ہی وہاں جھاڑ پونچھ کرائی تھی۔ تولئے دُھلے ہوئے میری الماری میں پڑے ہیں، لیتی جانا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہنا بیٹے۔''

میں اُٹھ کھڑی ہوئی اور ساتھ ہی تم بھی۔

میں تمہیں مہمان خانے میں لے آئی اور پھر تمہارا سامان پہنچوایا..... باتھ روم میں تولئے لٹکوائے، بیڈ کور چیک کیا..... ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر خود ہی کپڑا پھیرا۔ اتنی دیر تم اپنے سوٹ کیس میں ''مشغول'' رہے۔

پھر اپنا شیونگ باکس اُٹھا کر باتھ روم میں چلے گئے۔

میں نے اپنی موجودگی میں کسی کو پہلی مرتبہ اتنا بے نیاز دیکھا تھا۔ غیر شعوری طور پر مجھے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔

صبح صبح کا غسل..... گھٹنوں سے نیچے لٹکتے ریشمی بال..... چمکتی ہوئی جلد، کھلتا ہوا رنگ، سبز سوٹ پر بڑا سا سرخ پرنٹ کا دوپٹہ، میں اس قابل تو تھی کہ کم از کم مجھے تھوڑی سی توجہ دی جاتی..... ٹھیک ہے میری صبح کی تیاری معمولات میں تھی اور میں کسی کی توجہ حاصل کرنے کے لئے یہ سب نہیں کرتی تھی..... مگر تمہاری بے توجہی صاف شعوری کوشش محسوس ہو رہی تھی..... اور خاصی توہین آمیز تھی۔

یہ سوچ کر زوّار حسن.....! تم نے مجھے پہلی نظر میں چونکا دیا تھا..... اور میں تمہارے سرد رویے سے ''ہرٹ'' بھی ہوئی تھی مگر شام کو میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب تم آپی سے کہہ رہے تھے۔ ''شیبا.....! آپ اور دیبا میرے گھر کی شاپنگ میں میری مدد کریں..... سچ بالکل کورا ہوں اس سلسلے میں۔''

''دیبا..... یہ کیا کہہ رہے ہیں زوّار بھائی.....؟''

''کیا فرما رہے ہیں.....؟'' میں چندرا کر بولی۔

''کہہ رہے ہیں میرا گھر بنانے میں مدد کرو۔'' آپی مسکرائیں۔

''ایک خوبصورت آئیڈیا اسکیچ کر سکتی ہوں صرف۔'' میں نے ہنس کر چڑایا۔

''بھئی گھر تو بنا ہوا ہے در و دیوار کے ہمراہ صرف سامان سجانا ہے۔'' آپی ہنسیں۔

''تو پھر اس میں صرف مجھے رکھ دیں۔'' خدا گواہ ہے، یہ فقرہ بے ساختگی میں پھسل گیا تھا.....اور بعد میں از حد شرمندہ ہوئی تھی۔

آپی اسے نرا مذاق جان کر خوب ہنسیں اور تم زیر لب مسکرا دیئے تھے۔

عموماً گھروں میں کئی لڑکیاں ہوں تو ان کی شادیاں ترتیب سے ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی آپی کا مسئلہ زیر بحث رہتا تھا۔

لہٰذا ان کی راسخ سوچ کے مطابق جب شادیاں ترتیب سے ہوتی ہیں تو عشق بھی ترتیب وار ہی ہونے چاہئے تھے.....لہٰذا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی ان کو کراس کر کے میری قسمت میں آئے گا۔

یہ اگر ان کی خوش فہمی تھی تو کچھ غلط بھی نہیں تھی.....بہت حسن دیا تھا اللہ نے انہیں۔ اسی لئے انہوں نے میرے برجستہ فقرے کا کوئی معنی خیز نوٹس نہیں لیا تھا۔ میں تو کہہ کر بھی بھول گئی تھی اور تم دادی جان کے اصرار کے باوجود اپنے گھر شفٹ ہو گئے تھے۔

لیکن مجھے اس قدر یاد آئے کہ میں نے خود کو بار بار لعنت ملامت کی.....کہ میں ایسی کیوں ہو گئی کہ خوامخواہ کسی کو یاد کرتی رہوں، وہ بھی اس شخص کو جو ''خود پرستی'' میں مبتلا ہو۔

کتنی بار تمہارا تصور ذہن سے جھٹکا.....اور اسے اپنے کردار کی کمزوری پر محمول کیا لیکن میری حیرت اس وقت دو چند ہو گئی جب.....پہلی ملاقات کے انداز میں دوسری ملاقات ہوئی۔

جبکہ اس دن کے مقابلے میں دوسری ملاقات کی صبح زیادہ نئی تھی اور سورج نکلنے می خاصا وقت تھا۔ حتیٰ کہ مالی بھی نہیں آیا تھا اور تمہاری بائیک کی آواز سن کر میں ہی گیٹ تک آئی تھی۔ پیازی کرتے شلوار میں ملبوس، بالوں سے بوندیں ٹپکاتی میں باہر آئی تھی اور تمہاری اتنی صبح آمد پر خاصی پریشان تھی.....تم بائیک پر بیٹھے ہوئے گیٹ وا ہونے کے منتظر تھے۔

بائیک اندر لا کر تم نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا۔

''اے لڑکی.....!''

مجھے اس طرزِ تخاطب پر برہم ہونا ہی چاہئے تھا۔ اظہارِ ناراضگی کے طور پر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''مادام دیبا ارباب علی خاں.....! چشم کشائی کی درخواست ہے، احقر حاضرِ خدمت ہے، کارِ لائق پاوے تو سعادت جانے۔''

مجھے ایک دم ہنسی آ گئی۔

''آج پھر آپ اتنی صبح.....؟''

''پھر..... کیا مطلب.....؟'' تم تو ایسے کہہ رہی ہو گویا یہ حرکت مجھ سے کئی بار سرزد ہوئی ہو..... جبکہ میں پورے دس دن بعد اس طرف آیا ہوں۔''

''گیارہ دن بعد.....'' میں نے فوراً تصحیح کی تھی۔

جس پر تم نے صبح کو نورانی اُجالے میں مجھے اس قدر غور سے دیکھا تھا کہ میری خودداری نے میری جان کو کوسنا شروع کر دیا۔

میری گھبراہٹ اور نظروں کا جھکنا غضب ہو گیا۔

تمہاری بے قراری کے ایک ایک انگارے پر گویا میں نے بوند بوند، شبنم گرا دی تھی۔

''دیبا.....!'' تمہاری آواز بہت آہستہ تھی۔

''جی.....!'' میں ابھی تک شرمندہ کھڑی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے آج میں اتنی صبح کیوں آیا ہوں.....؟''

''نہیں.....'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''چند ماہ قبل ایک ایسی ہی صبح میں اس گھر میں داخل ہوا تھا۔ یہاں آ کر مجھے پتا چلا تھا کہ صبح کیسی ہوتی ہے..... میں پھر صبح دیکھنے آیا ہوں، کیونکہ صبح صرف اسی گھر میں ہوتی ہے۔''

میرا دل بری طرح دَھک دَھک کرنے لگا۔

''مگر اس صبح کو تو آپ رات بتا رہے تھے۔'' کب کا رُکا ہوا شکوہ تھا جو آج بے اختیار پھسل گیا تھا۔

تم بائیک سے اُتر گئے تھے اور میرے مقابل آ کھڑے ہوئے تھے اور مجھے سر سے پاؤں تک بڑے پرشوق انداز میں دیکھ رہے تھے۔

بعض اوقات ہم انسان اپنے اندرونی رویے کی نفی کرنے کے لئے عجیب وغریب رویہ اختیار کرتے ہیں۔

یہ بھی بھلا کوئی بات ہے کہ ایک لڑکی جالیوں کے پیچھے کھڑی ہو اور دل ونظر اسے قبول کرلیں۔

میرے نزدیک تو یہ شخصیت کی بے پناہ کمزوری ہے۔ایک عجلت بھرا رویہ۔

تم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا۔غصہ تو آنا ہی تھا تم پر.....تم مسکرا دیئے.....میرے وجود میں تفاخر کی لہروں نے ہلچل مچائی تھی۔

میں نے ایک بار بھی تمہاری سمت نہیں دیکھا تھا.....ایک بار دیکھا تو سب کچھ چھن گیا تھا۔اب کیا رہ گیا تھا میرے پاس چھن جانے کو.....میں مڑ کر اندر کی سمت بڑھی۔

''دیبا.....!'' مجھے تمہاری آواز آئی مگر میں مڑی۔رُک کر تمہاری بات کا انتظار کرنے لگی۔''کئی پہروں کے ملاپ ہوتے ہیں تمہارے یہاں.....پشت پر رات ہے اور چہرے پر صبح۔''

تم غالباً میرے کھلے ہوئے بالوں کی کشش کے زیر اثر تھے۔میں نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور اس کے بعد مجھے خود پر اتنا غصہ آیا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا۔

کیا سمجھ رہے ہوگے تم کہ کیسا ''پکا پھل'' ہوں.....جوانی صرف رومان کے تابع نہیں ہوتی.....استقلال بھی تو کوئی شے ہے۔

اسی غصے کے سبب میں بہت عرصے تک تمہارے سامنے نہ گئی.....تم بھی کئی بار ہمارے ہاں آئے اور گھر والے بھی بارہا تمہاری طرف گئے.....مگر میں نے پوری اختیاری کوشش کی کہ تمہارے سامنے نہ جاؤں۔

مگر ایک روز دادی جان نے بہت پریشانی کے عالم میں مجھ سے کہا۔''دیبا.....! میرے ساتھ چلو.....زوّار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔''

اور.....میرا وجود جیسے بے روح ہوگیا تھا.....امی اور شیبا آپی تو حیدرآباد ماموں جان کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔گھر میں، میں، دادی جان اور مجھ سے چھوٹی منیبہ تھی.....منیبہ کو گھر میں

چھوڑ کر ہم دونوں دادی پوتی تمہارے پاس اسپتال پہنچے۔ سارے راستے میری جان سولی پر لٹکی رہی.....اور جی بھر آیا۔

ایک اجنبی انسان کے لئے مجھے اپنی یہ کیفیت سمجھ نہ آئی۔ نہ جانے کتنی دُعائیں میرے ہونٹوں پر آئی تھیں بلکہ میرا پورا وجود ہی حرفِ دُعا بن گیا تھا۔

تمہارے پاس پہنچے تو پتا چلا معمولی چوٹیں آئی ہیں۔ ایک مطمئن سی سانس میرے سینے سے رہا ہوئی تھی۔ تم دادی جان کی نظر بچا کر گاہے گاہے مجھے دیکھ رہے تھے۔

اور مجھے یہ سوچ کر شرم آ رہی تھی کہ تمہارا دیکھنا مجھے اس قدر اچھا کیوں لگ رہا ہے۔

جب ہم چلنے لگے تو تم نے موقع پا کر کہا تھا (دادی جان آگے بڑھ چکی تھیں)۔

''اب کب ایکسیڈنٹ کراؤں.....؟''

میں کانپ کر رہ گئی تھی۔ ''اللہ نہ کرے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ میری آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔ یہ ایک بے اختیاری کیفیت تھی۔

''کبھی تمہارے منہ سے بھی کچھ سنیں گے یا یوں ہی معمائی رہو گی.....؟''

''میں ایک قانون داں کی بیٹی ہوں، قانون میرے لہو میں ہے۔ میں کبھی کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کر سکتی۔'' میں نے یہ شوخ جملہ نہ جانے کیسے کہہ دیا۔

''مگر تمہاری ادائیں سخت لاقانونیت کا شکار ہیں۔ میرے حواس پر زبردستی قابض ہو گئی ہیں۔'' تم نے پہلی بار بھرپور شوخی کا اظہار کیا تھا اور میں ایک دم باہر نکل گئی تھی۔

ایک مرد جو پہلی ہی نظر میں جی کو بھایا ہو۔ وہ اس قدر ہزار جان سے فدا ہو رہا ہو، پھر بھلا چاہی جانے والی عورت کے قدم زمین پر ٹک سکتے ہیں؟ اس مشرقی معاشرے کی پروردہ لڑکی ہونے کے ناتے مجھے اپنی بے قراریوں کے سرکش گھوڑے قابو ہی میں رکھنا تھے.....

اور.....

بس پہروں سوچنا تھا.....اور دماغ خراب کرنا تھا۔

کبھی اِدھر کی چیز اُدھر رکھی۔ فریج سے کوئی چیز نکالنے چلی تو وارڈ روب کھول کر حیران پریشان کھڑی سوچتی رہی کہ خدایا کیا چیز لینے آئی تھی۔

امی سے بے بھاؤ کی اس دن سننے کو ملیں جس دن ماش کی دال میں مرچوں کے بجائے

چائے کی پتی ڈال دی..... دوسرے برنر پر دودھ اُبال دیا۔ ماہ کی تنخواہ جمعدار کو پکڑا آئی۔ چابیاں اندر چھوڑ کر مہمان خانہ باہر سے لاک کر دیا۔ (آٹو میٹک لاک تھا) کھلتا تو بہر حال چابی ہی سے تھا۔

میں درحقیقت خود بھی اپنی کیفیت سے پریشان بلکہ ہراساں تھی۔ یہ کیا ہو گیا ہے مجھے.....؟ مجھے تو گود کے واقعات نہیں بھولتے تھے۔ اب سامنے کھڑی ہانڈی تک جلا رہی ہوں۔ مجھے اپنے جذبات سے سخت خوف آیا تھا۔

اور.....

تم پر غصہ بھی.....

لیکن جب تم 'کی رنگ' ہلاتے چلے آتے تو نہ جانے غصہ کہاں رفو چکر ہو جاتا۔ حالانکہ تمہارے سامنے بہت کم جاتی مگر ایک سرشاری کیفیت میں گویا بھیگ سی جاتی۔

ابھی اندیشوں، وہموں کا موڑ بھی نہیں آیا تھا۔

ابھی تو پریم پھوار میں بھیگنے کی کیفیت بھی نامکمل سی تھی..... نشہ دو آتشہ ہوا نہیں تھا کہ مجھے جیسے مرغزاروں سے کھینچ کر ریگزاروں میں پھینک دیا گیا۔

تم ایک ہفتہ زیارت رہ کر آئے تھے۔ خاصے گلابی گلابی سے ہو رہے تھے۔ اور میں تمہیں دیکھ کر پھر زندگی سے رَس نچوڑنے لگی تھی کہ ایک رات دادی جان کے منہ سے یہ روح فرسا خبر سنی کہ.....

عطیہ نے زوّار کے لئے شیبا کا رشتہ مانگا ہے۔

''کس کا.....؟'' میں نے ہونق سی ہو کر پوچھا۔

''شیبا کا..... اب ظاہر ہے، شیبا ہی کا مانگنا چاہئے تھا..... اُصولاً..... وہی بڑی ہے۔''

نہ جانے دادی جان نے یہ جملہ کیوں کہا۔

میں اپنی وہ کیفیت بیان نہیں کر سکتی۔ جیسے انسان تپتی لُو میں صحرا پار کر رہا ہو۔

نہیں.....

جیسے..... وہ کانچ پر چل رہا ہوں.....

نہیں..... نہیں.....

جیسے وہ نادانستہ بھڑ کتے الاؤ میں گر پڑا ہو۔

ایسا بھلا کیوں ہو جاتا ہے.....؟

ایک انسان روم روم میں اس طرح کیوں اُتر جاتا ہے..... جبکہ ایک عرصہ اسے دیکھے پرکھے بغیر بھی گزارا ہوتا ہے۔

انسان کسی کے لئے اتنا شدید کیوں ہو جاتا ہے کہ اپنی زندگی کی انفرادیت واہمیت کو بھلا بیٹھتا ہے۔

یوں تو نہیں ہونا چاہئے۔

نہیں ملا تو نہ سہی..... زندگی صرف اسی ایک مقصد کے لئے تو تخلیق نہیں ہوئی..... کتنے کام روح کے قرض بن کر نمٹنے کے منتظر رہتے ہیں۔

مگر میری کوئی دلیل بھی میری بے قراری نہ مٹا سکی۔

اور میری کیفیت لال لطیف شاہ سائیں کے اس شعر کا عکس بنی رہی جس کا ترجمہ ہے۔

قصر ہے ایک.....

جس کے ہزاروں در لاکھوں کھڑکیاں
اور ہر ایک میں تصویرِ جاناں

اور سب سے زیادہ صدمہ تو مجھے اپنے بے وقوف بنائے جانے کا تھا۔

کیا میں اتنی ہلکی شخصیت کی ہوں کہ کوئی مجھ سے دل لگی کرے۔ مجھے بے وقوف بنائے۔

''زوّار حسن.....! میں آپی کو سب کچھ بتا دوں گی۔ توڑ دوں گی سب تمہارے بھرم۔ تم اور تمہاری والدہ محترمہ ارباب علی خان کی گلی سے بھی گزرنا چھوڑ دیں گے۔'' میں نے ڈھلتے اَشک صاف کر کے گویا ایک حتمی قسم کا فیصلہ کیا تھا۔

دن گزرنے لگے۔ میری حیرت بڑھنے لگی کہ کوئی واقعہ ظہور پذیر کیوں نہیں ہو رہا.....؟

امی، دادی جان، آپی، منیبہ کسی نے بھی دوبارہ یہ بات نہیں دُہرائی۔

میں مر مر کر جی رہی تھی۔ یہ سب کتنے بے پرواہ بلکہ بے حس بن رہے تھے۔

کچھ کرنا ہے تو جلد کر لیں، کیوں مجھے پریشان کر رہے ہیں؟ سنا دیں کوئی خبر تا کہ میں

ایک بار ہی مر جاؤں......میرا کھانا پینا زہر ہو رہا تھا۔خیر......

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

آپی نے سخت انداز کو نرمی میں ڈھالتے ہوئے مجھ سے پوچھا تھا۔

''کیا زوّار تمہیں پسند کرتے ہیں......؟''

میرے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔(دے نہیں سکتے تو متاع وقار چھینو بھی نہیں زوّار حسن)۔

''کیا مطلب ہے آپ کا......؟'' میں گویا برا مان کر بولی تھی۔

''مطلب یہ کہ عطیہ آنٹی نے تو میرا رشتہ مانگا تھا۔زوّار تم پر اُڑ چکے ہیں...... مجھے تو خیر کوئی اعتراض نہیں۔بہن ہوں تمہاری...... ویسے ہی پوچھ رہی ہوں۔'' آپی نے خاصے ظرف کا مظاہرہ بھی کیا۔شاید میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے۔

ابنِ مریم کے ہاتھوں دوبارہ زندہ ہونے والی انسانوں کی جو کیفیت ہوتی ہوگی، اس سے کہیں زیادہ جذباتی کیفیت میری تھی۔بمشکل اپنی خوشی چھپائی......اور لاتعلق انداز میں آپی کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔یہ زوّار کا ذاتی فیصلہ ہے۔مجھ سے کبھی انہوں نے اس قسم کی بات نہیں کی......آپی کی ''انا'' کا بخار قدرے اُترا۔

''خیر......پھر تمہاری اپنی مرضی ہے یا نہیں......؟'' آپی نے مجھے گویا کٹہرے میں کھڑا کر رکھا تھا۔

''تو یہ امی وغیرہ کے سوچنے کی باتیں ہیں۔'' مجھ سے کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا۔گول مول جواب دے کر پھوٹ لی تھی۔

بھاگی کب تھی......اُڑ رہی تھی ہواؤں میں۔

آپی کے تو ویسے بھی بہت رشتے آئے ہوئے تھے اور زوّار سے انہوں نے کسی جذباتی وابستگی کا اشارہ کیا تھا، نہ مظاہرہ......اس لئے مجھ پر کسی قسم کا کوئی احساسِ ندامت سوار نہیں ہوا تھا۔

گویا پھول کی طرح ہلکی ہوگئی تھی اور آس پاس کے ماحول سے بے خبر ہو رہی تھی۔غور سے یہ بھی نہ دیکھا کہ آپی بات بات پر کیوں بگڑنے لگی ہیں......بات بات پر اٹھا پٹخ کیوں

شروع ہو جاتی ہے۔

زوّار کے آجانے پر کیوں پاؤں پٹختی پھرتی ہیں۔

اور نوکر کے پوچھنے پر..... تڑخ کر یہ کیوں کہتی ہیں جو کچھ ہے وہی رکھ دو، ایسے کون سے نئے مہمان ہیں۔

یہ تو اب سوچ رہی ہوں تو یاد آرہا ہے..... کہ بعض خوشیاں انسان کو اس قدر غافل سا کر دیتی ہیں کہ ماحول کا توازن بگڑ رہا ہو تو بھی وہ نوٹس نہیں لیتا۔

اور بعض دُکھ اتنا حساس بنا دیتے ہیں کہ معمولی سی بات بھی پہاڑ جیسی معلوم ہونے لگتی ہے۔

رسّی بھی سانپ بن کر ڈرانے لگتی ہے.....

اوہ.....

آج پیچھے پلٹ کر دیکھتی ہوں تو احساس ہوتا ہے۔ زوّار نے آپی پر مجھے ترجیح دے کر ان کی انا اور نسوانی وقار کو مجروح کیا تھا۔ ان کی خود پسندی کے آئینے پر پتھر دے مارا تھا۔ جب ہی تو وہ اتنا چڑنے لگی تھیں۔

مجھ سے تو وہ بہت محبت کرتی تھیں..... بہر حال..... لیکن جب انہوں نے میرے منہ سے یہ سن لیا کہ زوّار سے میرا کوئی کمٹمنٹ نہیں تو گویا انہوں نے میرا خیال کرنا بھی ترک کر دیا اور زوّار سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے آزاد ہو گئیں (یہ بات مجھے آج سمجھ آرہی ہے)۔

جانے انہوں نے کیا ''ماسٹر پلان'' تیار کیا کہ بس یہ خبر سنی گئی۔

اسے خالی ہاتھ لوٹا دیا گیا ہے۔

میرا تو دل دَھک سے رہ گیا۔

زندگی سفر کس طور کر رہی تھی..... جیسے گام دُھوپ..... پھر گام سایہ..... پھر دُھوپ۔؟

میری تو گھر میں کسی سے اتنی بے تکلفی بھی نہیں تھی..... کہ میں اپنے دل کا حال کہہ دیتی۔ شاید میری از حد شرمیلی طبیعت، میری ناکامی کا باعث ہو گئی تھی۔ اگر دادی جان سے کہہ دیتی۔

میری نظر میں دادی جان کا چہرہ گھوم گیا..... (میری جنت مکانی دانی جان) ہاں وہ از

حد مہربان خاتون تھیں..... پھر میں ان کی عزت تھی، میرا راز، راز ہی رہتا مگر میری ہمت ہی نہ پڑی..... بارہا میرے قدم اس نیت سے ان کے کمرے کی سمت اُٹھے.....

اُف اللہ..... تین سال گزر گئے تھے اس بات کو، زوّار نے تو جیسے قسم کھالی تھی پھر وہ کبھی ہمارے گھر نہ آئے..... میرے دل پر بدگمانی تہ در تہ چڑھتی رہی۔

آپی کی ایک بزنس مین سے شادی ہوئی..... وہ آئے دن دوروں پر رہا کرتے..... میں آپی کی تنہائی کے خیال سے ان کے پاس چلی آئی تھی..... اور ایک ایڈورٹائزنگ فرم میں بطورِ مشغلہ بلکہ اپنے دُکھوں کے آسیب سے پیچھا چھڑانے کے لئے ملازمت کرلی تھی۔

زوّار میری جان کا روگ بن چکے تھے۔ عقل ورطۂ حیرت میں ڈوبی رہتی تھی کہ انہوں نے مجھ سے کبھی پوچھا تو ہوتا..... دوبارہ تو آئے ہوتے۔

مجھے اس روگ نے نفسیاتی مریض بنا دیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے ذہنی رو بہک جاتی تھی..... نظریں کہیں، دماغ کہیں۔

یادداشت تک کمزور ہوگئی تھی۔

راتوں کو چونک چونک کر اُٹھ بیٹھتی تھی..... بات بات پر دل پگھلتا تھا۔

اتنی رقیق القلب ہوگئی تھی کہ کسی کی معمولی کراہ برداشت نہیں ہوتی تھی۔

ہر راہ چلتا انسان گویا زوّار لگتا تھا۔

کسی کے بال دیکھ کر چونک پڑتی۔

کسی کی چال دیکھ کر۔

مگر دُنیاداری بدستور کررہی تھی..... کسی کو بھی بھید نہیں دیا اپنی محرومی کا۔

کبھی جو کوئی تعجب سے پوچھتا، ''دیبا کیا ہوتا جارہا ہے تمہیں.....؟''

تو اپنے اسٹائیلش سے سوٹ کا دوپٹہ درست کرتے ہوئے پھیکی اور بے جان ہنسی ہنس کر اسے ٹالتی۔

اب پھر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ آپی شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھیں۔

میں کھڑکی سے باہر انسانوں کا اژدھام دیکھ رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح سوچ رہی تھی۔

اتنے بہت سے لوگ نظر آتے ہیں..... لیکن زوّار کیوں نہیں۔

اسی دم آپی کی ملازمہ کی پازیب نے مجھے چونکا دیا..... میں نے سخت ناگواری محسوس کی۔ حد ہے اس لڑکی سے، چوبیس گھنٹے دُلہن بنی رہتی ہے۔

''بی بی جی.....! کچن دھونا ہے.....؟''

''ہاں دھولو.....'' میں نے جان چھڑائی۔

صبح شام اس لڑکی کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا تھا، ''پشمینے.....! تو ہر وقت دُلہن کیوں بنی رہتی ہے.....؟''

ہنس کر جواب ملا تھا، ''گل باز خان کی آرزو ہے کہ میں ہمیشہ پہنے اوڑھے ملوں۔''

میرے سینے سے ایک ہوک، ایک آہ نکلی تھی مگر جلدی سے گھبرا کر ماشاءاللہ کہہ دیا تھا۔ کسی کی خوشی پر آہیں نہیں بھرنی چاہئیں۔ بہت کم ظرفی ہوتی ہے۔

مگر نہ جانے کیوں مجھے اس کی پائل کی جھنکار سے سخت کوفت محسوس ہوتی تھی۔ میرے اعصاب چٹخنے لگتے تھے۔

میں خاموش لیٹی پھر سوچوں میں مگن تھی کہ آپی خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ ''اُف خدایا! تھک گئی میں تو۔'' ڈرائیور تمام سامان قالین پر ڈال کر واپس جا چکا تھا۔

''تمہاری برتھ ڈے ہے نا ڈیئر..... پرسوں..... علی کا فون آیا تھا تو کہہ رہے تھے، دیبا کو ساتھ لے جا کر جیولری میں سے کچھ دلا دینا جو وہ پسند کرے۔''

''چھوڑیئے آپی.....! اس قدر مہنگے تحفے کی کیا ضرورت ہے اور پھر میں جیولری استعمال ہی کب کرتی ہوں۔'' میں بددلی سے بولی۔

''اچھا زیادہ بوڑھی اماں نہ بنو، تم بوڑھی ہو گئیں تو یہ نہیں سوچا میرا کتنا نقصان ہوگا۔ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ اس بوڑھی کی بھی بڑی بہن ہے۔'' وہ ہنس کر بولیں۔ ''اوہ.....! یاد آیا..... انگلش بوٹ ہاؤس میں آج زوّار سے ملاقات ہوئی۔ میں نے بہت شکوہ کیا کہ آپ تو سلیمانی ٹوپی پہن کر رہتے ہیں ہمارے شہر میں۔ ساتھ میں بیوی بھی تھی اس کی، سانولی سی۔''

میں نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا..... دھڑکنیں گویا طوفان کی زد میں تھیں۔

''سچ..... اس کی بیوی کو دیکھ کر میں نے سوچا..... کاش.....! اس لڑکی کی جگہ تم

ہوتیں..... کتنا اچھا کپل بنتا تم دونوں کا۔ بس پتا نہیں مجھے کیوں غصہ آ گیا تھا۔ میں نے 'می سے کہہ دیا تھا کہ دیبا مر کر بھی زوّار سے شادی نہیں کرے گی۔ سچ دیبا.....! ہم انسان بعض اوقات بہت ہی جوشیلے ہو جاتے ہیں، حالانکہ بات کچھ بھی نہیں ہوتی۔ ویسے دیبا.....! تم ہو ہی گاؤدی۔ تم ہی پسند کر لیتیں زوّار کو۔ سچ اگر تم زوّار کو پسند کر لیتیں تو شاید تمہاری خاطر میرا غصہ سرد ہو جاتا۔ پتا نہیں کیوں میں نے زوّار کے فیصلے کو اپنی بہت اِنسلٹ سمجھا تھا۔"

میں اندر سے پرت پرت جھڑی اور باہر سے مضبوط بنی رہی..... مجھے تو کائنات تھمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ تم پر مرے مٹے جا رہے تھے۔ تم بے چارے کو کوئی ریسپونس تو دے دیتیں۔ سچ، اب تو مجھے سوچ سوچ کر زوّار پر ترس آ رہا ہے۔ ابھی بھی تم میں یہ حس پیدا ہوئی یا نہیں.....؟" آپی نے گویا مجھے چھیڑا۔ "ہاں بھئی.....! اب تو پیدا کر لو یہ حس..... عمر نکل جاتی ہے تو کوئی نہیں پوچھتا۔"

میں نے آپی کی سمت دیکھا.....

مطمئن سی، مسکراتی ہوئی خوش حال باپ کی بیٹی اور خوش حال شوہر کی بیوی۔ میرے اُجڑنے میں ان کا کتنا بڑا ہاتھ ہے۔ ایک بے وجہ سی انا۔

میری "حس" کو زہر تو تمہی نے دیا تھا آپی۔

اب اس اعتراف کے بعد یہ نئی بے کلی ہاتھ لگی تھی۔

ہر پہلو سے "آہ" نکلتی تھی۔ صبر و قرار جو تھوڑا بہت تھا، اب وہ بھی چھن گیا تھا۔ میں یہ سوچ کر زیادہ روئی کہ بھلا میری بھی کوئی زندگی ہے۔

اب زندگی میں مزید سست رفتاری آ گئی تھی۔ آفس اور کتابیں..... میری زندگی اس دائرے میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ آپی کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ دن بھر کی روداد سنانے بیٹھ جاتیں۔

میرا رُوم رُوم بے کل ہوتا تھا۔ وہ نہ جانے کون کون سے قصے سنائے چلی جاتیں۔

"دیبا.....! وہ امینہ تھی نا میرے ساتھ..... یونیورسٹی میں.....؟"

"جی.....؟" میں بادل ناخواستہ بولی۔

''طلاق ہوگئی اسے۔''

''ہائے کیوں.....؟'' میں کیونکہ متوجہ تھی اس لئے کسی اُجڑ جانے پر اظہارِ تأسف قدرتی طور پر کرنا پڑا۔

''کیا معلوم کیوں.....سارے خاندان کو ٹھکرا کر اس شخص سے شادی کی تھی..... یہ صلہ دیا کمینے نے..... بے چاری کو..... سچ پہچانی نہیں جاتی اب تو۔'' آپی کو بہت رنج ہو رہا تھا۔

مجھے اپنے ملال بہت تھے۔ موقع پا کر آپی کی لامتناہی باتوں سے جان چھڑاتی تو چھن.....چھن.....پشمینے آجاتی۔

ہائیں مگر یہ کیا.....؟ آج تو پشمینے بہت برے کپڑے پہنے ہوئے ہے.....اور پائل بھی نہیں ہے۔

''کیا ہوا پشمینے.....! آج سنگھار نہیں کیا تم نے.....؟ کیا گل باز خان کوہاٹ گیا ہوا ہے.....؟'' میں نے یوں ہی اسے چھیڑ دیا۔

''کوہاٹ جا کر کیا اپنی ہڈی کا سرمہ بنوائے گا۔'' پشمینے تڑخ کر بولی۔ بے غیرت کا بچہ بنا ہوا ہے.....گل باز خان..... اَم مزدوری کرتا ہے.....اوکھاتا ہے۔'' پشمینے کی آواز بھرا گئی۔

''ہائیں.....مگر کیوں.....؟ کیا وہ خدانا خواستہ معذور ہے۔'' میں متعجب ہوئی۔

''اللہ نہ کرے بی بی.....! اَم اس کا خاطر کیا کیا.....وہ اَمارے واسطے کیا کرتا ہے۔''

''میں تمہاری بات سمجھی نہیں.....؟''

''اَمارا اس پر بھروسہ تھا.....وہ اَمارے کو دھوکا دیتا ہے۔''

میرا دل دُکھ گیا۔ خدا معلوم کیا دُکھ ہے اس لڑکی کو۔

جو خود دُکھی ہو وہ کسی کا دُکھ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اور میرا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ کسی کو خوش دیکھنے کے بعد دُکھی دیکھ لوں تو کلیجا پھٹنے لگتا ہے۔

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''تمہیں کیا غم ہے پشمینے.....؟''

''اَم کو پشتاوے (پچھتاوے) رُلاتے ہیں۔ جس کا خاطر اَم جان سولی پر رکھ وہ.....'' وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

''کیا کہتا ہے.....؟''

''بس مت پوچھو بی بی.....!''

''بتادو..... کسی سے نہیں کہوں گی۔'' میں نے تسلی دی۔

''گل باز خان کوہاٹ سے اَم کو بھگا کر لایا ہے..... بی بی.....! بولتا تھا، اَم کراچی شہر میں ڈلیوری (ڈرائیوری) کرتا ہے..... تیرے کو اچھا کپڑا پہنائے گا..... اچھا کھانا کھلائے گا، بہت پیسہ ہے۔ اس کا کام میں دل بھی نہیں لگتا تھا..... اَمارا خاطر باگ باگ (بھاگ بھاگ) کر کوہاٹ جاتا تھا..... ایسا اَمارے کو عشک (عشق) کیا..... اَم اندھا ہو گیا تھا۔''

''پھر اب کیا ہو گیا ہے.....؟'' میں نے اُلجھ کر پوچھا۔

''کہتا ہے، لے سنس (لائسنس) گم ہو گئی ہے۔ نوکری نہیں ملتا..... نشہ بھی کرتا ہے اب تو..... اور پھر ہمارے کو بہت مارتا ہے۔''

''تمہیں بھی گل باز سے پیار تھا.....؟'' میں نے پوچھا (ایک احمقانہ سا سوال)۔

''تب ہی تو خوار ہے بی بی.....!'' وہ ہچکیوں کے بیچ بولی۔

''اسے کہو، وہ کوئی اور کام کر لے..... اس شہر میں کام بہت ہے۔''

''وہ کام کرنا ہی نہیں چاہتا بی بی.....! اَم خوار ہو گیا ہے..... میرے کو اُونچا اُونچا خواب دکھاتا تھا..... اب میرے اُوپر الزام لگاتا ہے..... اَم برباد اے بی بی۔''

''اگر تمہیں گل باز نہ ملتا تو برباد تو تم پھر بھی ہوتیں۔''

''صبر آجاتا بی بی.....! پر یہ بربادی بہت بڑا اے۔ نہ اِدھر کا ہے ہم نہ اُدھر کا۔ اس واسطے روتا ہے بی بی..... اَم پلٹ کر کوہاٹ نہیں جا سکتا۔ اُدھر لالہ کلہاڑی کو دھار لگائے تیار بیٹھا ہے۔ اَم سمجھا..... گل باز اَم کو مل گیا..... اَمارا دُکھ دُور ہو گیا..... اب میرے کو بولتا ہے۔'' وہ رُک کر آنسو صاف کرنے لگی۔

''کیا کہتا ہے.....؟'' میں نارسائی کے دُکھ میں مبتلا تھی، اور وہ رسائی کے..... میرا روم روم مشتاق اور متوجہ تھا۔

''کہتا ہے، تیرا شکل اَم کو اچھا نہیں لگتا۔''

میں نے چونک کر اس پری رُو کو دیکھا..... گلابیاں گھلی رنگت..... ٹھوڑی پر داغے

ہوئے تین سبز نشان..... (عموماً پٹھان لڑکیوں کی ٹھوڑی پر میں نے دیکھے ہوئے تھے اس لئے ان کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا تھا) سبز بلوری آنکھیں..... اور پچھتاووں کے افسردہ موسم۔

''کیا تم گل باز سے محبت کر کے پچھتا رہی ہو.....؟'' میں نے جانے کیوں پوچھا۔

''محبت کر کے کون پچھتاتا ہے بی بی..... اَم تو وہی ہے..... اس کا نظر بدل گئی اے۔ اس کا دُکھ اے..... اَمارا تو سب کچھ اس کا ہے بی بی۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر اب کیا ارادہ ہے.....؟''

''کچھ نہیں بی بی.....! چپ چاپ گزار لے گا اَم..... اس کو دُکھ بولے گا ای نہیں..... اب رہنا تو اسی کے ساتھ ہے۔ اب وہ مارے یا پیٹے..... بی بی.....! یہ اَمارا نصیب اے۔''

وہ چلی گئی۔

نہ مجھے اس کے آنے کا پتا چلا اور نہ جانے کا..... آج اس کی پائل خاموش تھی..... اس کا دُکھ میرے دُکھ پر غالب آ گیا تھا۔ میں دیر تک اسی کو سوچتی رہی۔ میرا دل چاہ رہا تھا، اس سے بہت سارے سوالات کروں..... مگر عجیب سی جھجک جو میری فطرت کا خاصہ تھی اور ''نارسائی'' کے موسم کا بہانہ تھی، اس نے مجھے پھر روک دیا۔

مثلاً میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی.....

جب تمہاری پیاسی اور بے قرار روحیں یکجا ہوئی تھیں تو تمہیں کیسا لگا تھا.....؟

تمہارے کیا احساسات تھے.....؟

دُنیا میں اور اپنے آپ میں تمہیں کیا تبدیلی محسوس ہوئی تھی.....؟

ملنے کے بعد گل باز کی چند گھنٹوں کی دُوری سے تمہیں کیا محسوس ہوتا تھا.....؟

جتنی دیر تم ایک چھت کے نیچے ہوتے تھے، تمہاری کیا کیفیت ہوتی تھی.....؟

میں نے اس مرتب ''سوال نامے'' کو دوبارہ اپنے ذہن میں دُہرایا تو ہنسی آ گئی۔

بک رہی ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

اُف خدایا.....! دُنیا کتنی مشکل جگہ ہے۔ ایک معما ہے، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ یہاں آسودگی اور خوشی کا کوئی معیار ہی نہیں۔

کوئی مل کر پریشان ہے اور کوئی نہ مل کر۔

کہیں ''نارسائی'' کے دُکھ ہیں اور کہیں ''رسائی'' کے ملال۔

ملال خواہ ایک لمحے کی کیفیت ہو..... یہ ماضی کے ایک ایک صفحے پر حماقت کی مہر ثبت کر دیتی ہے..... کہ.....

''دانائی کے راستے میں کبھی ملال کے پڑاؤ نہیں آتے۔''

ملال تو حماقت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

جذبات میں ملال کا حصہ متعین ہوتا ہے..... کسی کی طلب بھی تو ایک دیوانگی اور جنون ہی ہوا کرتی ہے..... خوش قسمتی میں عموماً مواقع ہی اہم رول ادا کرتے ہیں۔

کبھی مل جانے کا موقع خوش قسمتی کے در کھول دیتا ہے، کبھی نہ ملنے کا موقع خوش نصیبی کا اگلا زینہ بن جاتا ہے۔

کبھی مل کر بھی کچھ نہیں ملتا.....

کبھی نہ مل کر بہت بڑی ''بچت'' ہو جاتی ہے۔

کبھی ملال کی بچت.....

کبھی جان کی بچت.....

کبھی احساسِ زیاں کی بچت.....

پچھتاووں سے بچت.....

رسوائی سے بچت..... اور کسی بھرم کی ٹوٹ پھوٹ سے بچت۔

بعض اوقات یوں ہی اتفاقاً ''بھرم'' بن جاتے ہیں..... اور ان کا قائم رہنا..... بہت سے لوگوں کے حق میں ہوا کرتا ہے۔

''پشمینے'' میرے ذہن کا ایک ایک دریچہ کھول گئی تھی۔

دریچے تو یوں ہی کھلنے کو بے تاب تھے..... کہ جب انسان کی بے قراری اتنی بڑھ جائے کہ انسان اپنی قدرتی موت سے پہلے خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہو تو قدرت اس کے لئے کوئی بات زندگی کا بہانہ بنا دیتی ہے۔

کوئی سوچ..... کوئی خیال اسے سنبھال لیتا ہے..... اس کی زندگی کا کوئی دوسرا نیا موڑ

شروع ہو جاتا ہے۔

کبھی امینہ مل کر پچھتاتی ہے.....اور تعلق شہ رگ پر گرفت بننے لگتا ہے۔

اور کبھی پشمینے .....اپنی عجلت پر آنسو بہاتی ہے۔

میرے پاس کیا ضمانت ہے.....کیا گارنٹی ہے زوّار حسن کہ مجھے صرف خوشیاں ہی ملتیں، میرے بھرم بنے رہتے .....؟

میں نے تو ملن کو زندگی کی معراج سمجھ کر باقی ہر چیز سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

چار برس ہونے کو آئے .....

میں نے رغبت سے کھانا نہیں کھایا.....

آسودہ نیند نہیں سوئی.....

راتوں کو چونک چونک کر جاگی.....

وہی تو پیش نہیں آتا جو ذہن میں موجود ہوتا ہے.....

بلکہ عموماً پیش تو وہ آتا ہے جو ذہن میں نہیں ہوتا ہے.....

جب ہمارے پاس خوشیوں کے حصول کے کوئی معیار اور پیمانے ہی نہیں ہیں.....

تو ہم طول اور پریشان کیوں ہوتے ہیں.....؟

جانے کتنی ''امینائیں'' مل کر پچھتاووں کے گرداب میں پھنس جاتی ہیں اور کتنی ''پشمینائیں'' کسی کی محبت میں گرفتار ہو کر ''جزیرائی'' زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور کتنی ''دیبائیں'' ''نارسائی'' کے کرب میں مبتلا ہو کر اپنے پھیپھڑوں پر داغ لگانے کے درپے ہو جاتی ہیں۔

جبکہ یہاں کسی چیز کو ثبات نہیں.....

نہ ملن کو نہ جدائی کو.....

نہ خوشی کو.....نہ دُکھ کو.....

نہ دل کو.....

نہ نظر کو.....

اتنی مشکوک خوشیوں کی خاطر انسان اپنی قیمتی زندگی کو بے فیض بنا لیتا ہے.....بس اتنی

سی بات.....آہ.....!

آپی کے بیڈروم میں مکمل خاموشی تھی، غالباً وہ سو چکی تھیں۔ میں نے بھی خود پر کمبل تان لیا۔

زوّار حسن.....! بھلانے والی چیز تو نہیں ہو۔

یاد تو آؤ گے..... ہمیشہ.....آخری دم تک۔

⌘ ⌘ ⌘